فراز کی شاعری کا مزاحمتی رنگ

سلمیٰ صدیقی

Abstract:

When Ahmad Fraz began his poetry, Urdu poetry, breaking the magical shackle of romanticism had learned that real greatness lies in portraying the adverse realities, rather than creating a utopia. Furthermore he was nurtured in such an environment that his creative consciousness always egged him on to stand the oppressor and to resist the despotic behavior.

Ahmad Faraz, due to his sentimental and romantic poetry, is generally considered, the poet of youth but being a part of an oppressed society revolutionary elements, rebellious approach and slogans for human liberties can be seen in his every other piece of poetry. Voice against the oppressors, revolt against the dictatorial behavior, resistance against the despotic approach and sedition against the dominating powers are not only found in the Nazm or Gazhal of Faraz but his other poetic genres such as Hamd, Naat, Salam and Trana are also full of these thoughts.

احمد فراز نے اس دور میں میدانِ شعر میں قدم رکھا جب اردو شاعری رومانویت کے فسوں سے نکل کر ترقی پسندیدیت کا علم تھام چکی تھی۔ سیاسی افق پر اربابِ دانش نے عوام الناس کو ظلم کے خلاف آوازہ حق بلند کرنے کا فن سکھا دیا تھا۔ اہلِ ادب نے جان لیا تھا کہ طبع حساس کی اصل تسکین خیالستان آباد کرنے میں نہیں، حقیقتِ زیست کی حسن کاری میں ہے۔ چنانچہ ن م راشد، فیض احمد فیض، جوش ملیح آبادی، علی سردار جعفری، اختر الایمان، مجید امجد، میراجی، اور ایسے بہت سے دیگر اہلِ سخن خیالی دنیاؤں کی آباد کاری کی بجائے حقیقی دنیا کے خارزاروں کو تلف کر کے اسے گل وگلزار بنانے میں کوشاں ہو چکے تھے۔ یہ وہ شعراء تھے جن سے فراز نے شگفتگیِ فن کا ہنر بھی لیا اور سماجی،

سیاسی، قومی اور تہذیبی زنجیروں کو توڑ کر فرد کی آزادی رائے اور حقوقِ انسانی کی خاطر آواز بلند کرنے کا فن بھی سیکھا۔

دوسری طرف والدین کی تربیت اور پختہ عصری شعور نے فراز پر یہ نکتہ بھی جلد ہی منکشف کر دیا کہ جدلی مادیت کے اس دور میں ذات کی انانیت، خودداری، ذہنی وفکری اور اخلاقی وعملی جارحیت کے خلاف آواز بلند کرنے ہی میں فرد کہ بقا پوشیدہ ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بات وقت کے آمر کے خلاف صدائے حق بلند کرنے کی ہو یا قصّہ عالمی سامراج کے استعمار کے خلاف مظلومینِ وقت کے حق میں صف آراء ہونے کا فراز ہر طرف اپنے نظریئے اور اپنی فکر پر ڈٹا ہوا نظر آتا ہے۔

معاصرین میں آج بھی بہت سے شعراء انفرادی اور اجتماعی آزادی کی بات کر رہے ہیں لیکن احمد فراز کو یہ افتخار حاصل ہے کہ ان کی شاعری میں اردو زبان و ادب کی شعری روایت کا تسلسل بھی ملتا ہے اور گہرا عصری شعور رکھنے کے باوصف وہ موضوعاتی اور اسلوبیاتی اجتہاد پر بھی قادر ہیں۔ یہی اجتہادی فکر انہیں معاصر شعراء میں ممیّز کرتی ہے۔ وہ پیدائشی بے باک، راست گو اور آزادی کے متوالے تھے۔ فراز نے عملی زندگی میں جب بھی اور جہاں بھی انسان کو ظلم و زیادتی، ناانصافی، لوٹ مار اور جبر وتشدد کے ہاتھوں مجبور ومقہور پایا تو انہوں نے ستم رسیدہ انسانوں کی آزادی، حقوق اور حریت کے حق میں نعرہ بلند کیا۔ وہ زبان، نسل اور علاقائی حدود و قیود سے بالا تر ہو کر پوری انسانیت کے درد کو اپنا درد سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے ملک میں جب بھی انہوں نے لاقانونیت، آمریت، جمہوری قدروں کی پامالی اور نام نہاد مذہبی ٹھیکیداروں کے ہاتھوں عوام کے حقوق کو یرغمال ہوتے دیکھا تو ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ انہی جذبات کا اظہار ایک انٹرویو میں احمد فراز نے کچھ یوں کیا:

> ''جہاں انسانی آزادی یا انسانوں کے حقوق کا مسئلہ ہو وہاں شاعر کہاں خاموش رہ سکتا ہے۔''(۱)

اگرچہ فراز کو غزل اور رومانوی آہنگ کا شاعر تصور کیا جاتا ہے لیکن ان کی نظموں میں گہرے انسانی شعور، سیاسی، سماجی اور اقتصادی عیوب ومحاسن کے ساتھ ساتھ تہذیب وثقافت کے بڑے گہرے نقوش بھی ملتے ہیں۔ وطنِ عزیز پاکستان میں حالات و واقعات کا جوار بھاٹا ان کے تخلیقی اظہار کا مقصد اولین رہا ہے۔ اپنے قید و بند کے عہد میں لکھی جانے والی ایک نظم میں وہ خود کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فراز ہم تم تو وہ ہیں
جن کے نصیب میں زندگی کی ساری اذیتیں ہیں
کہ جس مسافت پہ ہم چلے ہیں
وہ حرفِ حق کی مجاہدت ہے
ہمیں نہ حرص حشم، نہ مال ومنال کی آرزو رہی ہے
نہ ہم کو طبل وعلم، نہ جاہ وجلال کی جستجو رہی ہے
بس اک قلم ہے کہ جس کی ناموس

ہم فقیروں کا کل اثاثہ ہے، آبرو ہے
بس ایک سچ ہے
کہ جس کی حرمت کی آگہی سے
مرے بدن میں، ترے بدن میں
مرے قلم میں، ترے قلم میں
وہی لہو ہے
کہ جس سے عرفان کی نمو ہے
کہ جس سے انساں کی آبرو ہے (۲)

''احمد فراز کی آگہی اور ذہانت اپنے عہد کے نت نئے تقاضوں سے پوری طرح باخبر رہی ہے۔ انہوں نے ظلم و جبر اور استحصال کی سفاک طاقتوں کے مقابلے میں اپنے وطن کے اور ساری دنیا کے دبے کچلے انسانوں کی طرف داری کا عہد کیا ہے اور اس ستم کیش کوچہ میں مجاہدانہ بانکپن سے آگے بڑھتے ہوئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ قید تنہائی کے اذیت ناک دن بھی گزارے اور فیض کی طرح جبری ہجرت اور آوارگی کے ایام بھی بسر کیے۔'' (۳)

ن۔ م۔ راشد کی طرح احمد فراز بھی اہلِ مشرق کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے ہیں۔ وہ اہلِ مغرب کی طرف سے مشرق پہ ڈھائے جانے والے مظالم سے نالاں ہیں۔ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اہلِ مشرق آج کل جن مشکلات سے دو چار ہیں اس کا اصل محرک اور سبب اہلِ مغرب ہیں۔ مغرب کی تمام تر ستم ظریفی اور پُرتشدد رویہ فراز کی نگاہِ عمیق سے ایک لمحہ بھی اوجھل نہیں ہوتا۔ ان کا دل ایک ہمدرد اور مونس کا دل ہے جو مشرق کی آن بان گہناتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا اور ان کی زبان پورے ایشیا کی زبان بن جاتی ہے اور وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں:

عروجِ عظمتِ آدم تھا مدعا تیرا
مگر یہ لوگ نقوشِ فنا ابھارتے ہیں
کس آسماں پہ ہے تو اے پیمبرِ مشرق
زمیں کے زخم تجھے آج بھی پکارتے ہیں (۴)

درحقیقت فراز کا تعلق نظریاتی جہاد اور اجتماعی آشوب کی جن روایات سے رہا ہے وہ ان کے تخلیقی سفر کا ایک حصہ بن گئی ہیں۔ فیض کی طرح انہوں نے بھی المناک واقعات کی عکاس کئی نظمیں لکھی ہیں جن کا لہجہ اور آہنگ مصلحت سے زیادہ مزاحمت سے پر ہے۔ ۱۹۸۲ء میں بیروت پر اسرائیلی حملے کے بعد فلسطینی مجاہدین پر جو بیتی اس کی بازگشت فراز کی نظموں میں بڑی واضح سنائی دیتی ہے۔

اگرچہ فراز امن پسند شاعر اور ادیب ہیں لیکن جارح کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی بجائے وہ اپنے دفاع کی خاطر ڈٹ جانے کو زیادہ اہم خیال کرتے ہیں۔ انہیں مغرب کے اس جانب دارانہ طرزِ عمل سے شدید نفرت ہے جو

جبر واستبداد پر ردعمل کی بجائے ظلم سہنے کی ترغیب دیتا ہے۔ کیونکہ اس طرز عمل کے مطابق جبر کا مقابلہ بجائے خود ایک منفی وظیفہ ہے۔ اس منفی طرز عمل کی بابت بات کرتے احمد ندیم قاسمی کہتے ہیں:

''کشمیر، ویت نام اور فلسطین وغیرہ میں تشدد اور دہشت کے خلاف لڑنا بھی امن دشمنی قرار پا جاتا ہے۔'' (۵)

احمد فراز نے ہمیشہ دبے ہوئے اور مظلوم طبقے کا ساتھ دیا۔ وہ ظالم، جابر اور آمر کے ساتھ وابستگی نہیں رکھتے بلکہ اپنے علم و ہنر اور فن سے عوام الناس اور مجبور آدمی کی محرومیوں اور پریشانیوں کو موضوع سخن بناتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فراز نے اپنی شاعری میں محبت کے گیت الاپے ہیں لیکن ان کے ہاں باطل قوتوں سے نفرت کا اظہار بھی ملتا ہے۔ وہ اپنے پہلے شعری مجموعہ'' تنہا تنہا'' کی ایک نظم ''شاعر'' میں ایوبی آمریت کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں:

اور آج شکستہ ہوا ہر طوقِ طلائی
اب فن مرا دربار کی جاگیر نہیں ہے
اب میرا ہُنر ہے میرے جمہور کی دولت
اب مرا جنوں خائف تعزیر نہیں ہے
اب دل پہ جو گزرے گی وہ بے ٹوک کہوں گا
اب میرے قلم میں کوئی زنجیر نہیں ہے (۶)

فراز کے اس مجموعہِ کلام کی آخری نظم ''آتشِ عجم'' کے مندرجہ ذیل اشعار بھی انقلابی اور مزاحمتی انداز کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں:

ہزار بادِ مخالف کا زور ہو لیکن
سفینے شدتِ طوفاں کو مات دے دیں گے
بہ ایں ہمہ نہ رکے گی اس انقلاب کی رَو
اس انقلاب کی ضو تیرگی مٹائے گی
جو آگ تیل کے چشموں کو چھو کے گزری ہے
سمندروں کی تہوں کو بھی چیر جائے گی (۷)

دراصل فراز کا یہ انداز اس کے اپنے ہم وطنوں کے حقوق کی پامالی، بدحالی اور نام نہاد آزادی کے خلاف مزاحمت ہے۔ انہیں جب بھی اپنے ہم وطن اپنے ہی وطن میں بے یارو مددگار، نہتے، ظلم کی چکی میں پستے ہوئے نظر آئے وہ اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر بے ساختہ پکار اٹھے کہ یہ آزادی اور انصاف کے نام پر دھوکہ ہو رہا ہے۔

پھر بھی پاؤں میں ہیں زنجیریں ہاتھوں میں کشکول
کل بھی تجھ کو حکم تھا آزادی کے بول نہ بول

آج بھی تیرے سینے پر ہے غیروں کی بندوق
اے بھوکی مخلوق
بیس نہ سو، نہ ہزار نہ لاکھ، پورے آٹھ کروڑ
اتنے انسانوں پر لیکن چند افراد کا زور
مزدور اور کسان کے حق پر جھپٹیں کالے چور (۸)

دوسری عالمی جنگ کے بعد معرض وجود میں آنے والی ریاستوں میں جمہوریت کے نام پر حقوقِ انسانی کے ساتھ بدترین مذاق کیا گیا، قیمتی انسانی جانوں کو بے دردی سے کچلا گیا، انسانی وقار اور احترام کو مجروح کیا گیا، چند افراد کے ہاتھوں پوری قوم کو یرغمال بنایا گیا۔ ان ساری دلخراش اور سفاکانہ کاروائیوں کی سچی تصویریں اور متحرک نقوش فراز کی شاعری میں بڑے درخشاں نظر آتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر قمر رئیس:

> ''ان کی نظموں میں احساس کی ایسی شدت، تخلیقی توانائی اور حُسن ہے کہ عصری حقائق کی ترجمانی کے باوجود آج بھی ان میں ایک انوکھی تازگی محسوس ہوتی ہے۔'' (۹)

احمد فراز اس راز سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اقوامِ مشرق کو ملنے والی آزادی کی حیثیت ایک سراب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ غاصبوں نے غلامی کے نئے نئے روپ اور ہتھکنڈے اپنا لیے ہیں۔ یہ مما لک محض نام کے آزاد ہیں۔ ان کی پالیسیاں، حکومتیں، ادارے حتیٰ کہ ان کی سوچیں آج بھی غلامانہ ہیں۔ احمد فراز اپنی نظم ''افریشیائی ادیبوں کے نام'' میں لکھتے ہیں:

ہمیں یہ سوچنا ہو گا کہ زندگی اپنی
فضائے دہر میں کیوں موت سے بھی سستی ہے
ہم اہلِ شرق ہیں سورج تراشنے والے
مگر ہماری زمیں نور کو ترستی ہے
یہ کیا کہ جو بھی گھٹا دشت سے ہمارے اٹھے
وہ دور پار سمندر پہ جا برستی ہے (۱۰)

فراز نے کبھی بھی حاکموں کے سامنے سجدہ نہیں کیا۔ وہ ایک بے باک اور خوددار شاعر ہیں۔ نہ بکنے والے اور نہ جھکنے والے۔ انہیں حاکم کی تلوار سے زیادہ اپنے قلم پر مان ہے۔ انہیں حق وصداقت کا پرچم بلند کرنے کا گُر آتا ہے۔ بقول مسعود مفتی وہ (احمد فراز):

> ''پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کاٹنے کا ہنر جانتے ہیں اور حوصلہ رکھتے ہیں۔ جبر واستحصال کو للکار سکتے ہیں اور ریاکاری کو آئینہ دکھا سکتے ہیں۔'' (۱۱)

یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ فراز کی زیادہ تر نظموں اور غزلوں میں احتجاجی رویہ موجود ہے۔ ان کے نزدیک مزاحمتی شاعر کا ہدف مذہبی رہنما یا پیشوا ہی نہیں بلکہ سیاسی رہنما بھی ہونے چاہئیں۔ سیاسی رہنما اپنے قول وفعل میں تضاد

جیسی بیماری کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف اپنے عزائم کی تکمیل ہوتا ہے نہ کہ عوامی خدمت۔

کڑی ہے جنگ کہ اب کے مقابلے پہ فراز
امیرِ شہر بھی ہے اور خطیبِ شہر بھی ہے (۱۲)
دیکھنا یہ ہے کہ اس باطل و حق کے رن میں
رات مرتی ہے کہ زنجیر سحر ہوتی ہے (۱۳)
اب کے تو نہ چہرے ہیں نہ آنکھیں ہیں نہ لب ہیں
اس عہد نے پہنے ہیں نقاب اور طرح کے (۱۴)

وطنِ عزیز معاشی خوشحالی کی خاطر مصروف جدوجہد ہے اور ترقی کے ان ارتقائی مراحل میں اسے مختلف النوع مسائل درپیش ہیں جن میں کچھ کی حیثیت مالی و اقتصادی نوعیت کی ہے جبکہ بعض مسائل انتظامی، سیاسی، سماجی اور اخلاقیات کی ذیل میں آتے ہیں۔ جو ارباب نقد بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

''شعر و ادب کو معاشرے کا ترجمان و نقاد سمجھتے ہیں ان کے نزدیک نظم ونسق اور انتظامیہ کی صورت حال یہ ہے۔ کہ بقول احمد فراز:

امیرِ شہر غریبوں کو لوٹ لیتا ہے
کبھی بہ حیلہ مذہب کبھی بنام وطن (۱۵)

اپنے پہلے مجموعہ کلام ''تنہا تنہا'' میں ''۲۳ مارچ'' کے عنوان سے لکھی گئی ایک نظم میں فراز نے ان سیاستدانوں پر گہری تنقید کی ہے جنہوں نے آزادی اور حریت کا جھانسہ دے کر عوامی امنگوں کا مذاق اُڑایا، بجائے انہیں آزادی کی نعمت سے سرفراز کرنے کے انکی آزادی چھین لی۔ یہ سارا منظر فراز نے دیکھا اور سنا اور پھر اسے اپنے شعور اور ادراک میں ڈبو کر صفحہ قرطاس پر بکھیر دیا۔

چمن میں جشنِ ورودِ بہار جب بھی ہوا
وطن میں جب بھی فروزاں ہوئے خوشی کے دیئے
رہی ہے بوالہوسوں کے سبو میں بادۂ ناب
بلا کشانِ وفا نے لہو کے گھونٹ پیئے
مہ و نجوم رہے بزم شہر یاراں میں
نگاہِ خلق ترستی رہی کرن کے لیے
ادھر عبا و قبا کا خیال دامن گیر
ادھر یہ فکر کہ کوئی جگر کے چاک سیئے
تو کیا یہی غم جمہور کے تقاضے ہیں
نظر اُٹھا کے نہ دیکھیں، کوئی مرے کہ جئے (۱۶)

پختہ عصری شعور اور مزاحمتی رجحان کا عالم یہ ہے کہ فراز کی حمدیہ اور نعتیہ شاعری میں بھی مناجات کی بجائے انقلابی اور مزاحمتی رنگ جھلکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے نعت کی روایت میں ایک نئے رجحان کی طرح ڈالی تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ اس حوالے سے فتح محمد ملک نے اپنی کتاب ''تحسین و تردید' میں ایک بڑا دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''ایک نعتیہ مشاعرہ، جس کی صدارت جنرل شاہد حامد کر رہے تھے، فراز کے کلام کو سننے کے بعد ان کے پاس آئے اور ڈانٹ کے کہنے لگے:

'فراز! تم باز نہیں آتے۔ یہ تم نے کیا پڑھا ہے؟'

'میں نے وہی پڑھا ہے جو میں لکھتا ہوں'، فراز اس غیر متوقع وار سے سنبھل کر بولے۔

'میں پوچھتا ہوں، یہاں تم نے ایسی چیز کیوں پڑھی؟'، شاہد حامد صاحب جوشِ غضب میں بھنا اٹھے۔

'میں تو وہی پڑھوں گا جو میں لکھتا ہوں'، فراز نے مختصر مگر فیصلہ کن جواب دیا۔

'میں تمھیں سمجھوں گا'، شاہد حامد صاحب کہ وزیر اطلاعات تھے ہوا کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور یہ جا وہ جا مگر سارا ہال سناٹے میں آ گیا اور میرے ذہن میں فراز کی نعت کے شعر گونجنے لگے:

مرے رسولؐ کہ نسبت تجھے اجالوں سے
میں ترا ذکر کروں صبح کے حوالوں سے
تو روشنی کا پیمبر ہے اور مری تاریخ
بھری پڑی ہے شبِ ظلم کی مثالوں سے (۱۷)

اے روشنی کے پیمبر
یہ شوریدہ سر
حرفِ زن ہے
کہ محراب و منبر سے
فتویٰ گر و فتنہ پردازِ دیں
حرفِ حق بیچتے ہیں
فقیہانِ مسند نشیں
حرصِ دینار و درہم میں
تیرے صحیفے کا اک اک ورق بیچتے ہیں
یہ خلقت کا خوں

اور اپنی جبیں کا عرق بیچتے ہیں
پیمبر!
مجھے حوصلہ دے
کہ میں ظلم کی قوتوں سے
اکیلا لڑا ہوں
کہ میں اس جہاں کے جہنم کدے میں
اکیلا کھڑا ہوں (۱۸)

استعماریت جارحیت اور ظلم کے خلاف مؤثر مزاحمت نے احمد فراز کو منصور اور سرمد کا ہمراہی بنا دیا ہے۔ انہوں نے رنگ فیض سے مؤثر استفادہ کیا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی انفرادیت اور امتیاز برقرار رہتا ہے۔ انہوں نے اس انقلابی سوچ کو محض غزل اور نظم تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ حمد، نعت، سلام اور ترانہ کی اصناف کے روایتی مضامین میں بھی انقلابی افکار ونظریات کو پروان چڑھایا اور یہی ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ احمد فراز کی شاعری میں پائے جانے والے احتجاجی، انقلابی اور مزاحمتی عوامل کا احاطہ کرتے ہوئے سید ضمیر جعفری لکھتے ہیں:

> ''اس (فراز) کی شاعری زندہ دلوں سے زیادہ مردہ دلوں کے لیے ضروری ہے۔ یہ توانائی اور تنوع کے اعتبار سے... مختلف ذائقوں کے پانیوں کا ایک وسیع سمندر ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو کس دھج سے زندہ رہنا چاہیے... وہ ماضی کی تاریخ کے بجائے مستقبل کے خواب دیکھتا ہے۔ اس کی کتابوں کے مطالعہ سے نچلے معاشرتی طبقے کے آدمی کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ فراز اس کے لیے اونچے طبقے میں جگہ خالی کروا رہا ہے.....فکر کے اعتبار سے اس کو دنیا کے ان شعراء کی صف میں شامل کیا جا سکتا ہے جنہوں نے بنی نوع انسان کی غلامی کو کم کیا ہے۔'' (۱۹)

حوالہ جات:

۱۔ احمد فراز، (انٹرویو)، مشمولہ: ہم کلامیاں، مرتب: حسن رضوی، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۲۷

۲۔ احمد فراز، شہر سخن آراستہ ہے، (کلیات)، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص: ۸۵۷

۳۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، تعبیر و تحلیل، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۶ء، ص: ۲۴۳

۴۔ احمد فراز، شہر سخن آراستہ ہے، ص: ۳۰۳

۵۔ احمد ندیم قاسمی، تہذیب و فن، لاہور، مکتبہ فنون، ۱۹۷۹ء، اشاعت دوم ص: ۲۰۳

۶۔ احمد فراز، شہر سخن آراستہ ہے، ص: ۲۳

۷۔ ایضاً،ص:۱۸۰
۸۔ ایضاً،ص:۸۸
۹۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، **تعبیر و تحلیل**،ص: ۲۴۵
۱۰۔ احمد فراز، **شہر سخن آراستہ ہے**،ص: ۳۳۷
۱۱۔ مسعود مفتی، ''اور پھر وہ بھی زبانی میری''، مشمولہ: **فنون**، لاہور، جولائی تا دسمبر،۱۹۹۳ء،ص: ۱۰۵
۱۲۔ ایضاً،ص:۹۰۰
۱۳۔ ایضاً،ص:۶۵۵
۱۴۔ ایضاً،ص:۸۶۵
۱۵۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ''اکیسویں صدی، نئی نسل اور ہماری ذمے داریاں''، مشمولہ: **تجدید نو**، لاہور، اگست ۱۹۹۲ء، ص: ۱۴
۱۶۔ احمد فراز، **شہر سخن آراستہ**،ص: ۱۵۶ تا ۱۵۷
۱۷۔ فتح محمد ملک، **تحسین و تردید**، راولپنڈی، اثبات پبلی کیشنز،۱۹۸۴ء،ص: ۱۴۸
۱۸۔ احمد فراز، **شہر سخن آراستہ ہے**،ص: ۵۹۰
۱۹۔ ایضاً،ص: ۱۵۲۸

کتابیات:

۱۔ احمد فراز، **شہر سخن آراستہ ہے**، (کلیات)، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز،۲۰۰۴ء
۲۔ احمد ندیم قاسمی، **تہذیب و فن**، لاہور، مکتبہ فنون، ۱۹۷۹ء، اشاعت دوم
۳۔ حسن رضوی (مرتب)، **ہم کلامیاں**، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹۰ء
۴۔ فتح محمد ملک، **تحسین و تردید**، راولپنڈی، اثبات پبلی کیشنز،۱۹۸۴ء
۵۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ''اکیسویں صدی، نئی نسل اور ہماری ذمے داریاں''، مشمولہ: **تجدید نو**، لاہور، اگست ۱۹۹۲ء
۶۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، **تعبیر و تحلیل**، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۶ء
۷۔ مسعود مفتی، ''اور پھر وہ بھی زبانی میری''، مشمولہ: **فنون**، لاہور، جولائی تا دسمبر،۱۹۹۳ء